ترکی قومیّت کی تحریک کے اسباب

محمد رشید فیروز

ترکی قومیت کی تحریک کا شمار تاریخ اسلامی کے دورِ جدید کی اہم تحریکات میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اسلامی ممالک میں اور خصوصاً پاکستان میں اس کے متعلق بہت کم معلومات فراہم ہو سکتی ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ہمارے مصنفین اور محققین نے اس موضوع پر کوئی قابلِ ذکر تصنیف اب تک پیش نہیں کی۔ جو کچھ مواد انگریزی اور یورپین زبانوں میں دستیاب ہے وہ زیادہ تر غیر روادار اہلِ قلم کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کی تصنیفات کی عدم موجودگی کی وجہ سے مغربی تصنیفات کو عموماً معتبر خیال کیا جاتا ہے اگرچہ ان کے ذریعے سے ترکی قومیت کے منشاء اور نتائج سے متعلق بہت سے غلط تاثرات قائم ہو گئے ہیں۔[1]

مغربی تحریکات اور افکار کا جو اثر ترکی قومیت کی تحریک پر پڑا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ ضروری ہے کہ بیرونی اثرات اور اندرونی محرکات، جو کسی قومی تحریک کے نشوونما کے عوامل شمار ہوتے ہیں، ان میں امتیاز کیا جائے۔ ایسی تمام تحریکوں کے سامنے چند قابلِ تقلید نمونے ہوتے ہیں جن سے ان کے جذباتی تعلقات ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان تحریکوں کے انداز فکر ان کے قومی مزاج کے مطابق نئے سانچوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ جب کوئی قومی تحریک پختگی کے مراحل میں سے گزرنے لگتی ہے تو وہ اپنی قوم کی روح اور عمیق جذبات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی تحریکیں

عموماً تاریخ کے نازک اور آزمائشی ادوار میں نشو و نما پاتی ہیں جب کسی قوم کے وجود کو ایک مشترکہ دشمن کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ یورپین قومیت مغربی محققین کی رائے کے مطابق جدید صنعتی دور کی پیداوار ہے۔ مشرقی ممالک میں یورپین قوموں نے جو مقبوضات حاصل کر لئے تھے ان سے زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کی سلسلے میں ان قوموں کے درمیان رقابتیں رونما ہوئیں اور بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہی رقابتوں کی وجہ سے یورپ کے ممالک میں قومیت کی مختلف تحریکیں پروان چڑھیں۔ لیکن ان تحریکوں کی تشکیل میں مذہبی۔ لسانی اور نسلی عوامل بھی بڑی حد تک کارفرما رہے۔

ترکی قومیت کی تحریک بھی ان تاریخی حقائق کے اعتبار سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یورپین طاقتوں کے روز افزوں سیاسی۔ فوجی اور اقتصادی استحکام سے سلطنت عثمانیہ کو جو زبردست خطرات لاحق ہوئے زیادہ تر انہی کے باعث ترکی قومیت وجود میں آئی۔ یورپین ممالک نے اپنی توسیع کے لئے جو منصوبے بنائے ان کی وجہ سے معاہدہ کوچوک قینارجہ ۱۷۷۴ء کی توثیق کے بعد جو سلطنت عثمانیہ اور زار روس کی حکومتوں کے درمیان طے پایا تھا سلطنت عثمانیہ کے وجود کو مسلسل خطرات درپیش رہے۔ یورپین طاقتیں اس عظیم الشان اسلامی سلطنت کو بالکل ختم کرنا چاہتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ مال غنیمت کا سب سے بڑا حصہ اس کو مل جائے۔ یورپین تاریخ میں یہ رقابت مسئلہ شرقیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ درحقیقت یہ ایک مسئلہ غربیہ تھا۔ روس اور دیگر یورپین طاقتوں کی باہمی رقابت کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلطنت عثمانیہ کو ایک عرصے کے لئے نئی زندگی مل گئی اور اس کی جگہ ۱۹۲۳ء میں جمہوریۂ ترکیہ نے لے لی جس کو غازی مصطفیٰ کمال اتاترک نے قائم کیا۔[۲]

یہ تھا وہ تاریخی پس منظر جس کی وجہ سے ترک سلاطین نے اپنی سلطنت کو جدید طرز حکومت اور مغربی علوم و فنون سے بہرہ ور بنانے کے لئے مختلف منصوبے بنائے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ان کوششوں کا آغاز اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے ہوا۔ انقلاب فرانس سے کچھ عرصہ قبل سلطان سلیم ثالث نے افواج اور انتظامیہ کی اصلاح کے لئے جو منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس کی تکمیل اس لئے نہ ہو سکی کہ علماء نے اس کی سخت مخالفت کی۔ کیونکہ وہ ہر نئی چیز کو بدعت اور

اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے تھے۔ اجتہاد کا دروازہ انہوں نے صدیوں سے بند کر رکھا تھا۔ سلطان محمود ثانی (۱۸۰۸ء۔ ۱۸۳۹ء) نے جو ترکی تاریخ میں ایک روشن خیال مستبد حکمران کے لقب سے مشہور ہیں کئی دور رس اصلاحات نافذ کیں جن سے مزید اصلاحات کا دور شروع ہوا جو ۱۸۳۹ء سے ۱۸۷۶ء تک جاری رہا۔ ۱۸۶۰ء سے لیکر آئندہ چند سالوں تک کا عرصہ دستوری شہنشاہی کی تحریک کا زمانہ تھا جس کے بانی مغربی تعلیم یافتہ ترک تھے۔ اس تحریک کو نوجوان ترکی کی پہلی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا اصلی نام نوجوان عثمانیوں کی تحریک تھا جس کے رہنماؤں میں ترکی کے مشہور شاعر اور صحافی نامق کمال اور مدحت پاشا بھی شامل تھے جو آگے چل کر سلطان عبدالحمید ثانی کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور جنہوں نے ۱۸۷۶ء کا پہلا عثمانی آئین مرتب کیا۔

نوجوان عثمانیوں کی تحریک چند سالوں سے زیادہ جاری نہ رہ سکی کیونکہ سلطان عبدالحمید ثانی کی حکومت کا رویہ سخت تھا۔ اس تحریک کے اراکین انقلابی ذہنیت رکھتے تھے اور انہوں نے یوروپین درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی۔ تاہم اس کا اثر ترکی کے ذہین اور اہلِ علم طبقے پر بہت گہرا ہوا۔ ترکی اخبارات اور جرائد نے نوجوان عثمانیوں کے خیالات کی اشاعت و ترویج میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حُبّ الوطنی۔ حُرّیت اور انسانی حقوق کے تصوّرات میں ایسی جاذبیت اور دلکشی پیدا ہوگئی جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اس تحریک کا دوسرا دور ۱۸۸۰ء کے کچھ عرصہ بعد شروع ہوا۔ سلطان کی حکومت نے جن ادیبوں اور صحافیوں کو یوروپین ممالک کے بڑے شہروں میں جلا وطن کیا تھا انہی شہروں میں ان اہلِ قلم نے سلطان کی مطلق العنانی کے خلاف ایک زوردار مہم چلائی جس کا مقصد ۱۸۷۶ء کے دستور کی بحالی تھا جسے سلطان نے اس کے نفاذ کے ایک سال بعد معطل کر دیا تھا۔ ان اخبارات کے ذریعے یہ تحریک زور پکڑتی چلی گئی جو خفیہ طور پر ترکی کے مختلف شہروں میں پہنچائے جاتے تھے اور بے حد مقبول تھے۔[۳]

انہی دنوں میں روسی مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے زار روس کی حکومت سے برسرِ پیکار تھے اور روسی حکومت میں اپنا حصہ طلب کرنے کے لئے جدّوجہد کر رہے تھے تھوڑے ہی عرصے میں اس جدّوجہد نے ایک قومی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ روس کے مسلمان مہاجرین جو انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ترکی کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے۔ اپنے آبائی وطن کی قومی تحریک کے افکار کی اشاعت میں مشغول ہوگئے۔

علامہ سید جمال الدین افغانی نے مغربی تہذیب کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے دنیا کی مسلمان قوموں کو بیدار کرنے میں جو قابل تعریف خدمات انجام دیں ان کے نتیجے میں روس اور ترکی کے مسلمانوں میں بڑی حد تک قومی شعور بیدار ہوگیا مصر میں سید افغانی کے خیالات کی اشاعت ان کے شاگرد رشید مفتی محمد عبدہ نے کی ان فکری تحریکوں کے باہمی ربط اور تعاون سے ترکی قومیت کی تحریک کے لئے فضا ساز گار ہوگئی (۴)

۱۹۰۸ء کے نوجوان ترک انقلاب اور ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی کے بعد ترکی میں ایسی جماعتیں قائم ہونے لگیں جن کے اغراض ومقاصد ترکی قومیت سے وابستہ تھے ۱۸۷۶ء کا دستور دوبارہ نافذ کیا گیا۔ سلطنت عثمانیہ کے اندرونی حالات روز بروز ابتر ہوتے چلے گئے۔ جنگ بلقان اور جنگ طرابلس اس قدیم اور عظیم الشان اسلامی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہونے کی علامتیں تھیں۔

بلقان کی ریاستیں مغربی طاقتوں کی کھلے بندوں حمایت کے زیر سایہ یکے بعد دیگرے آزاد ہوتی چلی گئیں۔ البانیہ کی اسلامی ریاست اور عرب ممالک نے بھی سلطان کی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب جرمنی اور ترکی مغربی حلیفوں کے مقابلے میں ہار گئے تو مغربی طاقتوں نے ترکی کے حصے بخرے کرنے کے لئے ڈرامے کے آخری مناظر عالمی سیاست کے اسٹیج پر پیش کرنے شروع کئے۔ ترکی کو یوروپ کے نقشے سے مٹانے کے لئے آخری منظر کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ لیکن خوش قسمتی سے سائیکس پیکو معاہدے پر عمل نہ ہو سکا جو خفیہ طور پر روس اور مغربی طاقتوں کے درمیان طے ہو چکا تھا۔ ترکی قومیت کی تحریک نے مغربی طاقتوں کے جارحانہ عزائم پر پانی پھیر دیا۔ (۵)

ان سیاسی انقلابات سے ترک قوم کے لئے بے شمار بحران پیدا ہوگئے۔ آخر کار ترک مجاہدین اپنی قوم کی بقا اور تحفظ کی جدوجہد میں مشغول ہوگئے اور انہیں ایک طویل عرصے تک میدان کارزار میں دشمنوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔ اس پر آشوب دور میں ترکی قومیت کا مفکر ضیا گوک آلپ ستارۂ سحر کی طرح اپنے وطن کے افق پر نمودار ہوا۔ وہ شاعر اور ادیب ہونے کے علاوہ ماہر عمرانیات بھی تھا۔ ترکی قومیت کے فکری رہنما کی حیثیت سے اس نے جو خدمات انجام دیں ان کا اعتراف اس کی زندگی میں ہی کر لیا گیا۔ اس نے ترک قوم کی ترقی کے لئے اسباب وعلل کا تجزیہ کرنے کے بعد اصول متعین کئے جو مضامین کی شکل میں مختلف جرائد میں شائع ہوتے رہے۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ترکوں کے لئے سخت آزمائش وابتلا کا دور شروع ہوا اور چاروں

طرف سے مایوسی کے بادل منڈلانے لگے۔ اناطولیہ اور ترکی کے یورپین علاقوں کی آزادی کے لئے ترکی قومیت کی تحریک شعلۂ جوالہ بن کر میدان میں آگئی جبکہ ازمیر (سمرنا) میں یونانی افواج کا غلبہ ہوچکا تھا۔ تحریک آزادی مشرقی اناطولیہ میں منظم ہونے لگی اور تھوڑے ہی عرصے میں مصطفیٰ کمال پاشا اس کے قائد منتخب ہوگئے جن کی فوجی قابلیت کی شہرت جنگ طرابلس اور جنگ گیلی پولی کے بعد مسلّم ہوچکی تھی۔ حملہ آور دشمنوں کو چند لڑائیوں میں پسپا کرنے کے بعد انہوں نے اپریل ۱۹۲۰ء میں انقرہ میں ترکوں کی نئی قومی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ (۶)

ضیا گوک آلپ شروع سے ہی مصطفیٰ کمال کی قومی تحریک میں ان کے رفیق کار بن گئے ترکی جمہوریہ کے اکتوبر ۱۹۲۳ء میں قیام کے کچھ دنوں بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ گوک آلپ نے جو نظریاتی اصول متعین کئے تھے مصطفیٰ کمال نے انہیں عملی جامہ پہنایا۔ اگرچہ ان میں کچھ تبدیلیاں کردی گئیں، ترکوں کے قومی شعور اور احساسات کے اظہار اور ان کی عملی تشکیل کے لئے نئی راہیں کھل گئیں۔ مغربی خطرات کا جواب ترک قوم نے پرزور اور مناسب طریقے سے دیا۔ ترکوں کے جوابی حملے کے پیچھے جو قوت کارفرما تھی اسی کا نام ترکی قومیت ہے۔ اس طرح سے ترکی قومیت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

حواشی

۱۔ اس موضوع پر انگریزی اور یورپین زبانوں میں کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ تازہ ترین تصانیف میں پروفیسر برنارڈ لیوئس کی کتاب **The Emergence of Modern Turkey** قابل ذکر ہے جو لندن سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ اکثر مغربی مصنفین کا مطالعہ یک طرفہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جدید ترکی کی ترقی کا راز مغربی تہذیب کی نقالی میں مضمر ہے اس میں شک نہیں کہ جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال نے مغربی تہذیب کے مفید پہلوؤں سے پورا پورا استفادہ حاصل کرنے کے لئے اپنی قوم کو سرگرم عمل بنایا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ترکوں نے اپنی اسلامی روایات کو بالکل ترک کردیا۔ حالانکہ مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھنے سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ مقالہ ہٰذا کے مصنف نے "ترکی میں اسلام اور سیکولرزم" کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو موجودہ دور میں ترکوں کے سیاسی اور معاشرتی نظام پر ایک ناقدانہ تبصرہ ہے۔ امید ہے کہ عنقریب یہ کتاب

ادارہ تحقیقات اسلامی۔ کراچی کی طرف سے شائع کی جائینگی۔

۲۔ فلپ۔ کے۔ جتی کی کتاب *The Near East in History* پرنسٹن، ۱۹۶۰، صفحات ۳۴۲-۳۴۳

۳۔ برنارڈ لیوئس *The Emergence of Modern Turkey* لندن، ۱۹۶۰، صفحات ۱۴۷-۱۷۰، ۳۲۲-۳۲۵-

۴۔ کتاب محولہ بالا، صفحات ۱۸۳-۱۹۲-

۵۔ کتاب محولہ بالا، صفحات ۳۳۴-۳۴۷۔ طارق ظفر تنایا کی کتاب

Türkiyenin Siyasî Hayatında

Batılılaşma Hareketleri

مطبوعہ استنبول، ۱۹۶۰ میں بھی اس موضوع پر دلچسپ تبصرہ موجود ہے۔ صفحات ۱۰۰-۱۰۷ تک۔

۶۔ برنارڈ لیوئس۔ کتاب محولہ بالا۔ صفحات ۲۳۷-۲۴۹-